جناب مولانا اخوند زادہ عبد القیوم فاضل دار العلوم حقانیہ

ائمہ اربعہؒ کے بعد اجتہاد مطلق

پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین جناب چیف جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب کا مقالہ "اجتہاد" کے عنوان سے زرعی یونیورسٹی پشاور میں پڑھا گیا پھر روزنامہ نوائے وقت کے ملی ایڈیشن ۲۵ دسمبر ۱۹۸۱ کو شائع پذیر ہوا۔

جناب ڈاکٹر صاحب کو اعتراف ہے کہ

"اسلام کے ابتدائی دور میں تین چار صدیوں تک ایسے فقہا موجود رہے ہیں جو "اجتہاد مطلق" کی صلاحیت و قابلیت سے آراستہ تھے۔ لیکن بعد کے ادوار میں منظم مکاتیب فقہ کے فکری تسلط کے باعث "مطلق اجتہاد" کی صلاحیت ختم ہو گئی۔ اور اجتہاد مطلق کا دروازہ بند ہو گیا"

اجتہاد کی یہ نوع مخصوص (اجتہاد مطلق) جو استنباط علل و اجتہاد فی الدین سے تعلق رکھتی ہے کا دروازہ اس لئے بند کر دیا گیا ہے کہ فی الواقع اس کی ضرورت ہی نہیں پائی جاتی۔ ائمہ کرام نے اپنی خداداد عظیم صلاحیتوں سے اجتہاد کی اس نوع کو اس حد تک مکمل کر دیا ہے کہ آئندہ اس سے نفع اٹھانے کی صورت تو باقی رہ جاتی ہے مگر اس میں مزید تحقیق و تلاش کا موقعہ باقی نہیں رہتا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"یہ ایک قدرتی اصول ہے کہ جو مقصد دنیا میں مکمل ہو جاتا ہے اس کی متعلقہ قوت بھی ختم کر دی جاتی ہے" (اجتہاد و تقلید)

مولانا اعزاز علی صاحبؒ کنز الدقائق کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"علامہ ابن صلاح تحریر فرماتے ہیں کہ اجتہاد مطلق تین سو سال سے بند ہو چکا ہے۔ (جب کہ علامہ ابن صلاح ساتویں ہجری میں گذرے ہیں۔ تو گویا اجتہاد مطلق چوتھی صدی ہجری سے بند ہو چکا ہے)

علامہ ابن صلاح نے بعض اصولیین سے یہاں تک نقل کیا ہے کہ

"امام شافعی کے بعد کوئی مجتہد مستقل نہیں ہوا"

یہاں پر اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ جب ائمہ کرام نے امہات مسائل کو تحقیقی تنقیح کے بعد باب وار

مدوّن فرما دیا۔ تو قدرتی عوامل کے تحت وہ خاص قوتِ فہم بھی گھٹنی شروع ہو گئی۔ کیونکہ اب اس کی ضرورت ہی باقی نہ رہی تھی۔ اس لئے اجتہاد کی وہ نوع جس کا تعلق استخراجِ علل و استنباطِ مسائل سے ہے خود بخود ختم ہو گئی۔

مگر اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین مندرجہ بالا اعتراف کے باوجود اپنے اسی مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مطلق اجتہاد" کا دروازہ درحقیقت سیاسی اسباب کی بنا پر بند کیا گیا تھا"

ذرا آگے چل کر مزید لکھتے ہیں :۔

گذشتہ دس صدی کے دوران صرف ایک ممتاز فقیہہ ایسا پیدا ہوا جو بجا طور پر یہ حق رکھتا ہے کہ "مجتہد مطلق" ہونے کا دعویٰ کرے اور اس نے یہ دعویٰ کیا یعنی امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۲۸ھ "۔

اس کے بعد آں محترم اپنے مقالہ میں ابن تیمیہ کے بعد دوسری اور تیسری شخصیت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور علامہ اقبال کو قرار دیتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ۔ شاہ ولی اللہؒ اور علامہ اقبال اپنی اپنی جگہ عظیم علمی اور روحانی شخصیتیں ہیں۔ ہمیں اس وقت ان کی علمی خدمات اور دینی مقام سے بحث نہیں کرنی۔ بلکہ بتانا یہ ہے کہ جب اجتہاد مطلق کا دروازہ ہی بند ہو گیا اور اس کی صلاحیت بھی مفقود ہو گئی تو اب کسی کو یہ حق دینا کہ وہ اجتہاد مطلق کا دعویٰ کرے۔ اور اگر وہ دعویٰ کرے تو اسے تسلیم بھی کر لیا جائے۔ بہت بڑے اور عظیم مفاسد کا پیش خیمہ اور دین و شریعت کے اصولوں کو بازیچۂ اطفال بنانے کے مترادف ہے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

روایت و درایت کو مزید تکمیل کی حاجت نہیں ۱۔ اسلام میں روایت و درایت (جن کا تعلق حفظ اور فہم سے ہے) کو دو بنیادی ستونوں کی حیثیت حاصل ہے۔ روایتی حصہ کی تکمیل کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرات محدثین کو کرامتاً اور خرقِ عادت کے طور بے پناہ قوتِ حافظہ سے نوازا۔ کہ ایک ایک محدث کو لاکھوں کی تعداد میں احادیث، متونِ حدیث، اسانید و رجال۔ ان کے اسماء، سوانح اور صفات ازبر ہوتے تھے۔ ان ہی کے سینوں سے مدوّن و منضبط ہوئے۔ جب محیر العقول قوتِ حافظہ کا کام پورا ہو گیا (جو اس امت کو بطور اعجاز دیا گیا) تو قدرتی عوامل کے تحت وہ قوتِ حافظہ بھی گھٹتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ آج جنسِ حافظہ کے موجود ہونے کے باوجود، وہ قوتِ حافظہ مفقود ہے۔

۲۔ جب اسلام کے درایتی حصہ کی تکمیل شروع ہوئی تو باری تعالیٰ نے امت میں ایسے اربابِ درایت و فقہ اور ائمہ اجتہاد پیدا فرمائے کہ انہوں نے من اللہ کرامتاً اور خرق عادت کے طور پر قرآن و حدیث سے نہ صرف یہ کہ مسائل کا استنباط کیا بلکہ وجوہ استنباط۔ کیفیت استنباط اور جزئیات کے کلیات سے

ارتباد پر علی وجہہ البصیرت روشنی ڈالی جب دین کا فقہ ائمہ کرام کے ہاتھوں اپنی مکمل صورت میں باب وار مدوّن ہوگیا تو قدرتی عوامل کے تحت وہ خاص قوت فہم بھی گھٹتی ہی چلی گئی حتیٰ کہ آج نہ تو اجتہاد مطلق کی ضرورت باقی رہی اور نہ ہی ویسی فہم نصیب ہوئی۔ لہذا اسلام کے ہر دو بنیادی ستونوں روایت و درایت کو مزید کسی تکمیل کی حاجت باقی نہیں رہی۔

ملکۂ اجتہاد وہبی ہے کسبی نہیں! اس عنوان پہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے تفصیل سے لکھا ہے تلخیصاً پیش خدمت ہے:۔

یہ فہم (اجتہاد) کوئی اکتسابی چیز یا فن نہیں ہے جسے محنت سے حاصل کر لیا جائے۔ بلکہ وہ ملکہ ایک عطا الٰہی ہے جو خاص خاص افراد امّت کو عطا ہوتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے رسالت و نبوت کوئی فن نہیں کہ جس کا جی چاہے محنت کرکے نبی بن جائے۔ چنانچہ قرآن میں رسالت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الله اعلم حیث یجعل رسالته — اللہ ہی بہتر جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھتا ہے

صاحب فہم و صاحب علم اسرار و حقائق کے بارہ میں حضرت خضرؑ کا واقعہ ارشاد فرمایا

وعلمناه من لدنا علما — ہم نے انہیں (خضرؑ) اپنے پاس مخصوص علم دیا۔

غرض دونوں امور یعنی علم نبوت و علم حقیقت کو اپنی طرف منسوب فرما کر اشارہ فرما دیا گیا ہے۔ کہ علم کا یہ مرتبہ اکتسابی نہیں بلکہ موہبت خداوندی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرن اول میں جب اجتہاد و قیاس کا دروازہ کھلا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ میں سے بعض کے اجتہاد کو قبول فرمایا۔ اور بعض کے اجتہاد کو رد فرمایا۔ جس کی نظیر ابو داؤد میں زخم رسیدہ شخص کو احتلام کی بنا پر صحابہؓ کا غسل دینا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ناگواری کا اظہار کرنا ہے۔ یا بخاری میں عدی بن حاتمؓ کا واقعہ کہ انہوں نے قرآن کے الفاظ "خیط ابیض اور خیط اسود" سے سیاہ و سفید ڈورے سمجھ لیے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برنگ مزاح "تمہارا تکیہ بڑا لمبا چوڑا ہے" فرما کر ان کے اجتہاد کو رد فرما دیا۔

جب صحابہؓ میں نہ ہر ایک مجتہد ہے اور نہ ہر ایک کی رائے و قیاس پایۂ اعتبار تک پہنچ سکتی ہے جب تک وہبی طور پر فہم و ذوق کا ملکۂ خاص عطا نہ ہو جو شارع کی نظر میں متعین ہے۔ تو آج کس طرح ہر ایک کا فہم معتبر اور حد اجتہاد تک پہنچا ہوا تسلیم کر لیا جائے (اجتہاد و تقلید ملخصاً)

بہرحال بتایا یہ جا رہا ہے کہ دین میں نص نہ ہونے یا متعین الوجہ نہ ہونے یا غیر معلول نہ ہونے کی صورت میں اجتہاد و قیاس جائز ہے جب کہ اس کے لئے افراد من اللہ منتخب اور مخصوص ہوتے ہیں ہر کس و ناکس اس کا

اہل نہیں۔

ہمیں تعجب ہے کہ جب اجتہادی قوت کا ملکہ بھی نہ رہی ہے اور چوتھی صدی سے نہ اجتہاد مطلق کی ضرورت رہی اور نہ وہ صلاحیت۔ جب کہ جناب چیئرمین اسلامی مشاورتی کونسل کو بھی اس بات کا اعتراف ہے تو پھر ان کو آخر اس بات کی ضرورت کیوں پڑی کہ آٹھویں صدی کے افراد کو مجتہد مطلق ہونے کے دعویٰ کا مستحق قرار دیا جاتے اور انہیں یہ شہ سرخی باندھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی کہ

" مطلق اجتہاد" کا دروازہ درحقیقت سیاسی اسباب کی بنا پر بند کر دیا گیا تھا"

مجتہد مطلق کی دو قسمیں | حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی عقد الجید ص۵ پہ تحریر فرماتے ہیں کہ رافعیؒ نوویؒ وغیرہ بہت سے حضرات نے تصریح کی ہے کہ " مجتہد مطلق " کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ مجتہد مستقل۔ ۲۔ مجتہد منتسب۔

اور ان کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے مجتہد مستقل تین چیزوں میں ممتاز ہوتا ہے۔

۱۔ اصول میں تصرف کر سکتا ہے جس پر اس کے مذہب کی بنا ہے۔

۲۔ آیات، احادیث اور آثار کا تتبع کرتا ہے ان مسائل کے لئے جو اس کو درپیش ہیں اور ان میں متعارض دلائل میں سے راجح کو اختیار کرتا ہے اور ان ادلہ کے ماخذ پر متنبہ کرتا ہے۔

۳۔ ان نئے مسائل میں کلام کرتا ہے جن میں اب تک کلام نہیں ہوا ہے ان میں ادلہ کی روشنی میں۔

مجتہد منتسب وہ ہوتا ہے جو اصول میں شیخ کا تابع ہو اور تتبع ادلہ میں شیخ کے کلام سے اکثر مدد لیتا ہو اور وہ اس کے باوجود احکام کو دلائل سے جانتا ہو اور ان ادلہ سے احکام مستنبط کرنے پر قادر ہو۔

جو ان دونوں سے نیچا ہو مجتہد فی المذہب کہلاتا ہے وہ اپنے امام کا مقلد ہوتا ہے جس مسئلہ میں امام کی تصریح مل جائے لیکن وہ اپنے امام کے قواعد سے واقف ہوتا ہے جن سے امام نے مسائل کا استنباط کیا۔ تو اگر ایسا مسئلہ پیش آتا ہے جس میں امام کی کوئی نص نہیں ملتی تو وہ اپنے امام کے قواعد پر اجتہاد کر لیتا ہے اور مسائل کی تخریج کرتا ہے اس کے قواعد پر۔ اور ان سب کے اخیر کا درجہ فی الفتیا کا ہے۔ وہ اپنے امام کے مذہب کا متبحر ہوتا ہے اور ایک قول کو دوسرے پر ترجیح دینے سے قادر ہوتا ہے۔ انتہیٰ

اجتہاد کے مرتبہ تک رسائی | مولانا اعزاز علی صاحب کنز الدقائق کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اجتہاد کے شرائط بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

یہی شروط مجتہد کا آلہ ہیں جو ان کے بغیر اجتہاد کا دعویٰ کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بغیر سیڑھی آسمان پر چڑھنے کا دعویٰ کرے۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ اس کو ان علوم کی مزاولت اور ادلہ

میں تامل کرنے کی وجہ سے ایسا ملکہ پیدا ہوجاتے کہ جس سے وہ استنباطِ احکام ادلہ سے کرسکے۔ اور اس ملکہ کے بعد بھی ضروری ہے کہ وہ قواعد وضع کرے جن پر استنباطات اور تفریعات کی بنیاد رکھے جیساکہ امام شافعی اور بقیہ ائمہ کے قواعد ہیں۔ آگے لکھتے ہیں:-

وھذہ القواعد ھی التی اعجزت الناس عن بلوغ حقیقۃ مرتبۃ الاجتہاد — یہی قواعد ہیں جنہوں نے لوگوں کو اجتہاد کے مرتبہ تک پہنچنے سے عاجز کر رکھا ہے۔

جب علامہ سیوطیؒ نے اجتہاد کا دعویٰ کیا | مولانا اعزاز علی صاحب لکھتے ہیں کہ

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے مع اپنی جلالۃ قدر کے جب اجتہاد کا دعویٰ کیا تو علامہ منادیؒ فرماتے ہیں کہ ان کے اس دعویٰ کے خلاف علماء عصر میں قیامت برپا ہوگئی اور مناظرہ کے چیلنج کیا تو اس سے انہوں نے انکار کر دیا۔

علامہ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ جب علامہ سیوطی نے اجتہاد کا دعویٰ کیا تو سب علما نے ان پر فوراً حملہ کیا اور ان کو ایسے مسائل کی ایک فہرست دی جو ذو وجہین تھے کہ اگر ان کو اجتہاد کا ادنیٰ درجہ بھی حاصل ہے تو اس میں جو راجح ہوں اس کے دلائل مجتہدین کے قواعد کی روشنی میں پیش کریں۔ تو انہوں نے سوال کا پرچہ بغیر جواب کے واپس کر دیا۔ اور یہ عذر کیا کہ مجھے اشتغال کی وجہ سے فرصت نہیں۔ اس کے بعد ابن حجر فرماتے ہیں۔ اس منصب کی مشکلات پر غور کرو کہ یہ تو اجتہاد کے ادنیٰ درجہ کا حال تھا اس سے واضح ہوچکا کہ جو شخص اس ادنیٰ درجہ اجتہاد کا دعویٰ کرے چہ جائیکہ مطلق اجتہاد، تو ایسا شخص اپنے بارے میں حیرت میں ہے اور فسادِ فکر میں مبتلا ہے۔ اور ایسا شخص اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اور جس نے بھی اجتہاد مطلق کے درجہ کو سمجھ لیا ہے وہ اس زمانہ میں اجتہاد مطلق کی نسبت کسی طرف کرنے سے شرمائے گا۔

صاحب البحر کے بارہ میں ائمہ کی تصریح | مولانا اعزاز علی صاحب رقمطراز ہیں۔

کہ ائمہ نے "رویانی صاحب البحر" کے بارہ میں تصریح کی ہے کہ وہ اصحاب وجوہ میں سے نہیں تھے۔ حالانکہ رویانی فرمایا کرتے تھے کہ

"اگر امام شافعیؒ کی روایات ضائع ہوجائیں تو میں انہیں یاد سے لکھوا دوں گا۔ تو جب یہ اکابر اجتہاد فی المذہب کے اہل نہ ہوسکے تو وہ لوگ جو ان اکابر کی اکثر عبارات بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے کیسے اور کیونکر اس لائق ہیں کہ اس سے بھی اونچے درجہ "اجتہاد مطلق" کا دعویٰ کریں۔ سبحانک ھذا بہتان عظیم

ائمہ اربعہ کے بعد کسی نے بھی "اجتہاد مطلق" کا دعویٰ نہیں کیا | علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے بعد کسی نے بھی اجتہاد مطلق کا دعویٰ نہیں کیا سوائے امام ابن جریر کے۔ مگر اس کو کسی نے قبول نہیں کیا۔

رہی یہ بات کہ ائمہ اربعہ کے بعد بھی کوئی مجتہد مطلق ہو سکتا ہے یا نہیں۔ تو علامہ شعرانیؒ نے اس سلسلہ میں تصریح فرمادی ہے کہ

"ہاں امکان ضرور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے نہ ہو سکنے پر کوئی دلیل نہیں۔"

مولانا عبدالحئی فرماتے ہیں کہ

"جو یہ دعویٰ کرے کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا تو یہ غلط ہے۔ البتہ اگر یہ کہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی ایسا مجتہد نہیں ہوا جس کے دعویٰ اجتہاد کو جمہور نے مانا ہو تو یہ مسلّم ہے۔" (شریعت و طریقت)

اجتہاد مطلق کے استعمال کے بُرے نتائج | اجتہاد مطلق کی صلاحیت اور قوت کے فقدان کے باوجود بھی اگر کسی کو اجتہاد کی اس نوع میں آزادی مل جائے تو پھر ہر وکیل۔ بیرسٹر اور ایڈیٹر۔ خواندہ و ناخواندہ مجتہد عصر ہو گا۔ اور اسلام کی اصلی شکل بھی پہچانی مشکل ہو جائے گی۔

مثلاً جب یہ لوگ دیکھیں گے کہ مجتہدین نے بعض اوقات ظاہر نص کو چھوڑ کر باطن علت پر عمل کیا ہے تو اپنے لئے بھی یہی حق اجتہاد محفوظ رکھتے ہوئے وضو کے بارے میں یہ کہنے میں کوئی باک محسوس نہ کریں گے کہ

"وضو کا حکم معلل ہے جس کی علت یہ تھی کہ عرب اونٹ، بکریاں چراتے تھے ان کے ہاتھ پیر جانوروں کے بول و براز کی چھینٹوں سے آلودہ ہو جاتے تھے۔ اس لئے وضو میں وہ اعضاء رکھے گئے جن کی آلودگی عادۃً اکثر و بیشتر تھی۔ جب کہ ہم روزانہ غسل کرتے ہیں۔ محفوظ مکانوں میں رہتے ہیں لہذا آلودگی موجود نہیں بایں سبب جب علت منتفی ہوئی تو حکم وضو کا وجوب بھی منتفی ہوا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ رقمطراز ہیں

"اس نوع کے اجتہادی مفاسد پیش آنے کی وجہ وجہ وہی ہے کہ تکوینی طور پر وہ استخراج علل کی قوت (اجتہاد مطلق کی صلاحیت) بوجہ اقتضائے ضرورت کے ختم ہو چکی ہے۔"

گویا مطلق اجتہاد کا دروازہ تکوینی امور کی بنا پر بند کر دیا گیا۔ جن کو سیاسی اسباب سے تعبیر کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اجتہاد کی اس خاص نوع (اجتہاد مطلق) کو چھوڑ کر محض جنس اجتہاد آج بھی باقی ہے ــــ جس کی تفصیل کا یہ مقالہ متحمل نہیں۔